

مولانا مفتی عطاء اللہ حقانی *

ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر مختلف ممالک کی کرنسی کی بیع کا شرعی جائزہ

بخدمت جناب مفتی صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مودبانہ گزارش ہے کہ ۲۲ جمادی الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۷ مئی ۲۰۱۰ء بروز جمعہ المبارک روزنامہ مشرق
اخبار کے اسلامی صفحہ پر ”آپ کے مسائل اور ان کا شرعی حل“ کے عنوان کے تحت ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس کو من و عن
یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ڈالر مہنگا ادھار فروخت کرنا اور مہلت کی وجہ سے پیسے بڑھانا۔

سوال: ایک ضرورت مند صراف سے ڈالر خریدتا ہے اگر ڈالر کی موجودہ قیمت مثلاً چھ سو روپے ہے تو وہ ایک ماہ کے
ادھار پر نوے روپے میں خریدتا ہے اور صراف کو ایک ماہ بعد طے شدہ قیمت نوے روپے کے حساب سے پاکستانی کرنسی
دیتا ہے یوں صراف فی ڈالر چھ سو روپے کماتا ہے اور توجیہ یہ کرتے ہیں کہ جنس تبدیل ہو جاتی ہے حالانکہ بین الاقوامی
اصول کے مطابق تمام ممالک کی کرنسیاں ایک ہی جنس ہے اور ان کے قدر میں کمی و بیشی کے عوامل اور ہیں مثلاً
درآمدات برآمدات عالمی بینک کے ساتھ سونا بطور سیکورٹی رکھنا کرنسی کی چھپائی کی مقدار وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میعاد پوری ہوتی ہے اور مقروض کے پاس رقم نہ ہو تو صراف پر جی لکھ کر اس کو ایک
ماہ اور معیاد و مہلت دیتا ہے اور چھ سو روپے فی ڈالر کماتا ہے جبکہ اس معاملہ میں مقروض اور صراف کے درمیان رقم کی کوئی
لے دے نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میعاد پوری ہوتی ہے اور مقروض کے پاس آدائیگی کی رقم نہ ہو تو صراف اس کو مزید
ڈالر چھ سو روپے مہنگا دے دیتا ہے اور مقروض اس کو پاکستانی کرنسی میں تبدیل کر کے اپنا سابقہ قرض ادا کرتا ہے اور یوں
اس پر چھ سو روپے فی ڈالر اس کا قرض مزید بڑھ جاتا ہے گویا صراف اس میں رقم کی لے دے کا حیلہ کرتا ہے ان مسائل

* استاذ شعبہ تخصص فی الفقہ والاقتصاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے کیونکہ یہ کاروبار بہت زور و شور سے جاری ہے۔ (عبدالباقی صراف)

جواب: یہ تینوں معاملات سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔ ہر ملک کی کرنسی الگ جنس ہے مثلاً پاکستان کی کرنسی ایک جنس ہے، سعودی کرنسی الگ جنس ہے، ڈالر جدا جنس ہے وغیرہ لیکن قدر ان تمام کرنسیوں کا ایک ہے اور سب میں مشترک ہے جب جنس جدا ہے اور قدر ایک ہے تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا آپس میں اگر ہاتھ در ہاتھ ہو تو مارکیٹ نرخ سے کمی بیشی کی گنجائش ہے لیکن اگر ادھار کا معاملہ ہو تو جائز نہ ہوگا لہذا ڈالر اگر چوراسی روپے کا ہے تو ایک دن یا ایک ماہ کے ادھار پر نوے (چوراسی سے زیادہ) پر اس کی خرید و فروخت جائز نہیں یہ سود ہے اسی طرح اگر وہ مقررہ تاریخ تک قرض واپس نہ کر سکے تو مہلت کی وجہ سے نرخ بڑھانا یا کوئی حیلہ اختیار کر کے قرض بڑھانا بھی سودی ہے، (نقل از روزنامہ مشرق)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعی ڈالر کو ادھار پر فروخت کرنا سود ہے اور ان کرنسیوں میں اتحاد قدر کی وجہ سے ادھار ناجائز و حرام ہے؟

اس طرح اس امر کی وضاحت بھی فرمائیں کہ کرنسی نوٹ کیسے رائج ہوئے یعنی کرنسی نوٹ کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ مہربانی فرما کر تفصیلی تحریر فرمائیں تاکہ جملہ شبہات ختم ہو جائے۔ یکے از خدام علماء کرام، اندر شہر پشاور شہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق

کرنسی نوٹوں کا تاریخی پس منظر:

زمانہ قدیم میں اشیاء کا تبادلہ اشیاء کے ساتھ ہوا کرتا تھا، یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے میں دوسری چیز لی جاتی تھی، بعد میں دوسرا نظام رائج ہوا جسے زربضاعتی کا نظام کہا جاتا تھا، اس نظام میں لوگوں نے مختلف مخصوص اشیاء کو بطور مٹن مقرر کیا جس کے ذریعے اشیاء کا تبادلہ ہوتا تھا۔ بعد میں لوگوں نے سونے چاندی کو تبادلے کا ذریعہ بنایا، ابتداء سونے چاندی کے ٹکڑوں سے تبادلہ ہوتا تھا، پھر ان کے سکے بنائے گئے۔ سونے کے سکے کو دینار اور چاندی کے سکے کو درہم کا نام دیا گیا، پھر بعض مشکلات کے پیش نظر ساروں اور صرافوں نے ان کے پاس بطور امانت سونا چاندی کے سکے رکھنے والوں کو وثیقہ کے طور پر ایک کاغذی رسید جاری کر دیا جو بعد میں اعتماد زیادہ ہونے کی وجہ سے بیع و شراء کے لئے بطور مٹن استعمال ہونے لگے۔ ۱۷۰۰ء کے اوائل میں ان رسیدوں نے ایک خاص شکل و صورت اختیار کر لی جیسے بینک نوٹ کا نام دیا جانے لگا۔ اس وقت ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا چاندی بینک میں موجود ہوتا تھا، اور بینک اس امر کا پابند تھا کہ وہ صرف اتنے نوٹ جاری کرے جتنا اس کے پاس سونا موجود ہے

۱۸۳۳ء میں جب بینک نوٹ کا رواج زیادہ ہوا تو حکومت نے اس کو زر قانوئی قرار دیا، ہر قرض لینے والے پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے ان نوٹوں کو اس طرح قبول کرے گا جس طرح سونے، چاندی کے سکوں کو قبول کرتا ہے ان نوٹوں کی اجازت صرف حکومت کے ماتحت چلنے والے مرکزی بینک کو ہوا کرتی تھی۔

اس کے بعد ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں مشکلات کے پیش نظر حکومتوں نے مجبوری کے تحت سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کر دیئے تاکہ حکومتی ضروریات پورا کرنے میں ان کو استعمال کرے چنانچہ ان نوٹوں کی پشت پر سونے کی مقدار آہستہ آہستہ کم ہونے لگی رفتہ رفتہ جب اس زر اعتباری کا رواج بڑھنے لگا تو ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد ملک میں موجود سونے کی مقدار سے کئی گنا زیادہ ہو گئی تو حکومتوں نے رفتہ رفتہ نوٹوں کو سونے سے تبدیل کرنے کی ممانعت کر دی آخر کار ۱۹۷۴ء میں بین الاقوامی مالی فنڈ نے سونے کے بدل کے طور پر ایک زر مبادلہ نکلوانے کے حق کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کی تعین کے لئے ۶۷۶ ۸۸۸ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا (کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعے خریداجا سکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے۔ لہذا اب صورتحال یہ ہے کہ زر مبادلہ نکلوانے کا یہ حق جیسے اختصار کے لئے 'ایس ڈی' آ کر رہا جاتا ہے۔ سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔

(ماخوذ از فقہی مقالات ۱/ ۲۱ تا ۱۵۔ مصنف مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

چنانچہ اسی طرح اب سونا مروجہ کرنسی کے دائرہ سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا، اور ان نوٹوں نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے۔ اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں اور نہ چاندی کی بلکہ خود ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

کرنسی نوٹ کی تعریف:

اس لئے کرنسی نوٹ کی تعریف مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ علامہ سید احمد بیگ الحسینی کے حوالہ سے یوں کرتے ہیں۔ بینک نوٹ ایک کرنسی نوٹ ہے۔ جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی۔ اور ان نوٹوں کے ساتھ بھی اسی طریقے پر لین دین کیا جاتا ہے جس طرح دھات کی کرنسی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے تاکہ لوگ اس کے لین دین پر اعتماد کریں (فقہی مقالات ۱/ ۲۲)

کرنسی نوٹوں کے بارے میں اختلاف رائے:

لہذا مذکورہ بالا تعریف کی رو سے کہ حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ یہ الفاظ اس بات پر دال ہیں کہ یہ نوٹ قرض کی سند ہے۔ اسی لئے بہت سارے علماء نے گزشتہ صدی میں ان نوٹوں کے بارے

میں قرض کے دستاویز ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور اسی بناء پر ان حضرات کے نزدیک ان نوٹوں سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اسی زمانہ میں دوسرے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے ان کا غدی نوٹوں کو ضمن عرفی قرار دیا، اسی وجہ سے ان حضرات کے ہاں ان نوٹوں پر زکوٰۃ بھی واجب ہوتا تھا۔ اور ان سے زکوٰۃ بھی ادا کرنا جواز تھا۔

علامہ احمد ساعاتی اور ہندوستان کے علامہ عبدالحی لکھنوی کے شاگرد رشید مولانا فتح محمد لکھنوی ان نوٹوں کے بارے میں بھی رائے رکھتے تھے اور ان کے بیٹے مولانا مفتی سعید احمد لکھنوی کا کہنا ہے کہ علامہ عبدالحی لکھنوی بھی اس مسئلہ میں والد صاحب کے موافق تھے، ماخوذ از فقہی مقالات ۱/۲۵

اگرچہ اختلاف زمانہ کے اعتبار سے دونوں آراء اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں اس لئے کہ ان کرنسی نوٹوں میں اختلافات گزر چکے ہیں، ابتداء میں یہ نوٹوں رسید اور ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے تھے۔ بعد میں ان نوٹوں نے درقانونی کی حیثیت اختیار کر لی۔

علامہ تقی عثمانی مدظلہ نے لکھا ہے بہر حال مندرجہ بالا بحث سے واضح ہو گیا کہ فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ فلوس نافذہ (مروجہ سکوں) کی طرح یہ علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ (فقہی مقالات ۱/۲۹)

مروجہ نوٹوں کی حیثیت:

اب جب نوٹوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کی حیثیت ضمن عرفی اور فلوس نافذہ کی ہے، ان کی ایک خاص قوت خرید ہے، اس لئے اہل علم حضرات نے ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ کو ایک ہی جنس قرار دیا ہے اور مختلف ممالک کے سکوں اور کرنسی نوٹوں کو مختلف الاجناس قرار دیئے ہیں۔

چنانچہ علامہ تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں: پھر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں اور مختلف ممالک کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں (فقہی مقالات ۱/۳۸)

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: البتہ اگر یہ نوٹ مختلف الجنس ہوں جیسے پاکستانی روپیہ، سعودی ریال، ایرانی تومن، امریکی ڈالر یہ سب آپس میں مختلف الاجناس ہیں اسی وجہ سے ان کے نام ان کے پیمانے اور ان سے بھائی جانے والی اکائیاں بھی مختلف ہوتی ہیں (تقریر ترمذی ۱/۱۳۵-۱۳۶)

یہاں تک تو مروجہ کرنسی کی حیثیت معلوم ہوئی، اس وقت عام مارکیٹ میں کرنسی کا تبادلہ عام ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا روہار کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اور استثناء کے جواب جو ادھار پر اس کا روہار کے بارے میں جو سود اور ناجائز ہونے کی تصریح کی گئی ہے تو کیا واقعی ایسا ہے یا نہیں۔

ربا القرآن اور ربوالحمدیث

ربو کا معنی ہے زیادتی اگرچہ یہ لفظ پانچ قسم کے معانی کے لئے مستعمل ہے لیکن زیادہ تر یہ لفظ دو معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک ربو النسیئہ کے لئے اور دوم ربو الفضل کے لئے۔ ربو النسیئہ کی تعریف یہ ہے کہ ہو القرض المشروط فیہ الاجل و زیارة مال علی المستقرض 'اس کو ربو القرآن بھی کہتے ہیں اور ربو الفضل کی تعریف یہ ہے کہ دوہم جن چیزوں میں آپس کے تبادلے کے وقت کمی زیادتی کرنا اس کو ربو الحمدیث بھی کہتے ہیں۔

اس وجہ سے یہ ہے کہ پہلی قسم کے ابا کو قرآن پاک نے حرام قرار دیا ہے اور دوسری قسم کے ربا کو حدیث پاک نے حرام قرار دیا ہے۔

اموال ربو یہ میں حرمت ربا کی علت:

ربا الفضل اور ربو النسیئہ کی حرمت کی علت کیا ہے؟ تو اس بارے میں فقہا کرام کا اختلاف ہے رسول اللہ ﷺ نے کاروباری ربا کے بارے میں چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے

چنانچہ حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ ﷺ الذهب بالذهب مثلاً بمثل والفضة بالفضة مثلاً بمثل والتمر بالتمر مثلاً بمثل والبر بالبر مثلاً بمثل والملح بالملح مثلاً بمثل والشعير بالشعير مثلاً بمثل فمن زاد واز داد فقد اربى (جامع ترمذی ج ۱ ص ۳۶۵)

اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے مذکورہ چھ چیزوں میں باہمی تبادلہ کی صورت میں تفاضل (زیادتی) اور نسیئہ (ادھار) دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ بعض تابعین حضرات کی رائے یہ ہے کہ سود کا یہ حکم صرف ان چھ اشیاء کے باہمی تبادلہ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمہور اہل علم کے ہاں یہ حکم صرف ان چھ اشیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسری چیزوں کے باہمی تبادلے کی صورت میں بھی تفاضل اور نسیئہ حرام ہے۔ اور یہ حکم معلول معللہ ہے۔

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں وہ علت قدر اور جنسیت میں اتحاد ہے لہذا جب وہ ہم جنس اشیاء کی باہمی تبادلہ ہو رہا ہو اور دونوں مکملی یا موزونی ہوں تو اس میں تفاضل اور نسیئہ دونوں حرام ہے اور اگر دونوں اوصاف میں سے ایک وصف معدوم ہو یعنی دونوں کا جنس مختلف ہو یا قدریت میں اختلاف ہو تو پھر اس صورت میں تفاضل جائز ہے البتہ نسیئہ (ادھار) حرام ہے اور اگر دونوں اوصاف معدوم ہوں تو پھر تفاضل اور نسیئہ دونوں جائز ہیں۔

چنانچہ صاحب ہدایۃ فرماتے ہیں:

الربا محرم فی کل مکمل او موزون اذا بیع بجنسہ مفاضلاً فالعلة عندنا الخلل مع

الجنس او الوزن مع الجنس قال" ويقال القدر مع الجنس وهو اشمل

(الهداية ۲/۵ ۱ باب الربا مكتبة البشرية كراچی)

اسی طرح مزید لکھتے ہیں:

واذا عدم الوصفان الجنس والمعنى (القدر) المضمون اليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة

المحرمه والاصل فيه الاباحه واذا وجد حرم التفاضل والنساء لوجود العلة واذا وجد احدهما

وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء (الهداية ۲/۵ ۱ باب الربا مكتبة البشرية كراچی)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ويجوز بيع الحفنة بالحفنتين والتفاحه بالتفاحتين لأن المساواة بالمعيار

ولم يوجد فلم يتحقق الفضل قال العلامة عبدالحی بالمعيار أى بالكيل والوزن ولم يوجد اذ

لا كيل فى الحفنة والحفنتين والتفاحه والتفاحتين (الهداية مع حاشیه ۲/۵ ۱ باب الربا)

وعلته اى علة تحريم الزيادة القدر المعهود بكيل او وزن مع الجنس ما وجد حرم الفضل اى

الزيادة والنساء بالمد التاخير . وان عدما حلا كهروى بمرويين لعدم العلة فبقى على أصل

الاباحه وان وجد احدهما اى القدر وحده او الجنس حل الفضل وحرم النساء

(الدرا المختار على صدر ردالمحتار ۲/۵ ۱)

علامہ ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے۔ ولما قالوا ان العلة فى تحريم الربا هو الكيل والوزن قالوا يجوز

التفاضل فيما لا يدخل تحت الكيل والوزن وقالوا بجواز الحفنة بالحفنتين والتفاحه بالتفاحتين

(اعلاء السنن ۲۶۱/۱۳)

والاولى ان يقال ان علة ربا الفضل هو الكيل او الوزن مع اتحاد الجنس

(اعلاء السنن ۲۶۳/۱۳)

جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں طعم یا منفعت کا پایا جانا ہے جبکہ جنس کا تبادلہ جنس کے ساتھ ہو اس لئے کہ ان اشیاء میں چار چیزوں

کا تعلق طعم سے ہے۔ اور دو کا تعلق جنس سے ہے۔

امام مالکؒ کے ہاں حرمت کی علت اقیاتہ اور ادخار مع الثمیر ہے۔

لہذا مذکورہ بالا اٹل جب پائے جائیں تو ان ائمہ کرام کے ہاں وہ معاملہ سودی ہوگا۔

مروجہ کرنسی کی حیثیت:

مروجہ کرنسی کی حیثیت جیسا کہ ماقبل میں ذکر ہو چکا ہے کہ ان کی حیثیت قوس نافذ کی ہے اور محدودات کے

قبیل سے ہے یعنی عددی ہے قدری نہیں اس کے علاوہ ایک ملک کی تمام اقسام کی کرنسی جنس واحد یعنی ایک جنس ہے اور

مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں اور یہ اختلاف جنس حکمی ہے اس لئے کہ ہر ملک کی کرنسی کی قیمت خرید اور قوت الگ الگ ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کی کرنسی کا نام بھی الگ ہے مثلاً امریکی ڈالر، برطانیہ کا پونڈ، سعودی ریال پاکستانی روپیہ وغیرہ۔

اب جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں اور اسکے علاوہ تمام کرنسیاں عددی بھی ہیں۔ جس میں حرمت ربا کی علت اتحاد قدر موجود نہیں ہیں تو دونوں اوصاف مختلف ممالک کی کرنسیوں کے تبادلے موجود نہیں ہیں اس لئے اس میں تفاضل بھی جائز ہے اور نسیا بھی جائز ہے اس لئے کہ اس تبادلے میں حرمت ربا کے دونوں اوصاف مفقود ہیں اور جہاں دونوں اوصاف موجود نہ ہوں تو وہاں تفاضل اور نسیا دونوں جائز ہیں۔

فلوس نافقہ میں بیع مسلم:

اس کے علاوہ فقہاء کرام نے کتب فقہ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ فلوس نافقہ جیسے آج کل کرنسی سے تعبیر کیا جاتا ہے میں بیع مسلم جائز ہے: جیسا کہ علامہ کاسانی نے لکھا ہے۔

واما المسلم فی الفلوس عدداً فجائز عند ابی حنیفہ و ابی یوسف (بدائع الصنائع ۲۰۸/۵)
اور علامہ ابن حاتم فرماتے ہیں و کذا فی الفلوس عدداً ای يجوز المسلم فی الفلوس عدداً هكذا ذکر
محمد فی الجامع من غیر ذکر خلاف فكان هذا ظاهر الروایة عنه (فتح القدیر ۲۰۹/۶)
سونے چاندی کی بیع کرنسی کے ساتھ:

اسی طرح سونے چاندی کی بیع کرنسی کے ساتھ بھی تفاضل اور نسیاء کے ساتھ جائز ہے اور یہ بیع صرف میں داخل نہیں ہے کما قال العلامة السرخسی بیع الفلوس بالدرهم لیس بصرف (المبسوط ۲۳/۱۳)
مگر دونوں طرح کے عقد میں احد المبدلین پر مجلس عقد میں قبضہ تحقق ہو جانا ضروری ہے تاکہ بیع الکالی بالکالی یعنی بیع الدین بالدین لازم نہ آئے۔

دور حاضر کے اہل علم کے فتاویٰ:

اور اسی پر دور حاضر کے بہت سارے اہل علم کا فتویٰ ہے چنانچہ چند فتاویٰ جات ملاحظہ ہوں۔

☆ جناب مولانا احسان اللہ شائق صاحب لکھتے ہیں:

دولتوں کی کرنسی چونکہ مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے اس وجہ سے ان کے نام کی اکائیاں وغیرہ مختلف ہوتی ہیں جب دونوں کی جنس مختلف ہے تو ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے کسی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے اور اس کا کاروبار کرنا بھی جائز ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ مجلس عقد میں دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کا متبادل کرنسی پر قبضہ ہو جائے اگر کسی ایک فریق کا متبادل کرنسی پر قبضہ ہو جائے مگر کسی ایک فریق کا بھی مجلس عقد

میں متبادل کرنسی پر قبضہ نہ ہوا بلکہ معاملہ کر کے دونوں فریق بعد میں ادائیگی کے وعدہ پر جدا ہو گئے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں افراق دین بدین لازم آتا ہے جو کہ حدیث کی رو سے ممنوع ہے۔

(فقہ المعاملات یعنی جدید معاملات کی شرعی احکام جلد اول ۱۳۹)

اسی طرح فتاویٰ بنیات میں ہے چونکہ ایک ملک کا روپیہ دوسرے ملک کے روپیہ سے الگ جنس ہے اسلئے ایک ملک کا روپیہ یا نوٹ کو دوسرے ملک کے روپیہ یا نوٹ سے کی ویشی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔

(فتاویٰ بنیات ۱۱۳/۴)

☆ علامہ سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: دو ملکوں کی کرنسی نوٹ کو ہمارے زمانے کے علماء نے دو علیحدہ جنس قرار دیا ہے اور چونکہ یہ ناپی یا تولی جانے والی چیز نہیں اور قدر و قیمت میں کافی تفاوت پائے جانے کی وجہ سے ان کو ایسی چیز بھی شمار نہیں کیا جاسکتا جو شمار کی جاتی ہیں اور ان کے افراد میں باہم کوئی قابل لحاظ تفاوت نہیں (عدوی متقارب) اس لئے اب دو ملکوں کی کرنسیاں جنس اور قدر ہر دو لحاظ سے مختلف ہیں اور ایسی دو چیزوں میں نقد و ادھار تبادلہ ہو سکتا ہے لہذا یہ جائز ہے کہ ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے اس طرح تبادلہ کیا جائے کہ ایک کی طرف سے نقد اور دوسرے کی طرف سے ادھار ہو۔

(جدید فقہی مسائل ۲۶۲/۲)

☆ اسی طرح علامہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہو گئیں تو ان کے درمیان کی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے لہذا ایک ریال کا تبادلہ ایک روپے سے بھی کرنا جائز ہے پانچ روپے سے بھی۔

میرے نزدیک حکومت کے مقرر کردہ ہوا کی مخالفت کرتے ہوئے کی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں سود لازم نہیں آئے گا اس لئے دونوں کرنسیاں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں اور مختلف الاجناس کے تبادلہ میں کی زیادتی جائز ہے اور اس کی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں بلکہ یہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے پھر ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت اگرچہ کی زیادتی تو جائز نہیں لیکن یہ بیع صرف بھی نہیں ہے کیونکہ کرنسی نوٹ خلطہ شمن نہیں ہیں بلکہ یہ شمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلطی ائمان (سوئے چاندی) میں جاری ہوتے ہیں اس لئے مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں البتہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم از کم ایک طرف سے قبضہ پایا جانا ضروری ہے اس کے بغیر یہ معاملہ درست نہ ہوگا

(فقہی مقالات ۱/۲۸۲۸)

اور علامہ صاحب آگے مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ کرنسی کا ادھار معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جیسا کہ تاجروں اور عام لوگوں میں اس کا ایک ایک نمونہ ہے اس شرط پر دے دیتے ہیں

کہ تم اس کے بدلے میں اتنی مدت کے بعد فلاں ملک کی کرنسی فلاں جگہ پر دینا مثلاً زید عمر کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال اور یہ کہے کہ تم اسکے بدلے میں مجھے پاکستان میں چار ہزار پاکستانی روپے دے دینا تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اثمان کی بیع میں بیع کے وقت ثمن کا عقد کرنے والے کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں لہذا جب جنسین مختلف ہوں تو ادھار کرنا جائز ہے چنانچہ جنس الاثمہ سرخی لکھتے ہیں:

واذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبائع جائز لان الفلوس الرائجة لثمن كالنقود وقد بينا ان حكم العقد في الثمن وجوبها وجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها الصحة العقد كمالا يشترط ذلك في الدراهم والا نأبى (المبسوط للسرخسي)

اگر کسی شخص نے دراهم کے بدلے فلوس خریدے اور اس نے دراهم بائع کو دے دیئے لیکن بائع کے پاس اس وقت فلوس موجود نہیں تھے تو یہ بیع درست ہو جائے گی۔ اس لئے کہ مروجہ سکے ثمن کے حکم میں ہوتے ہیں اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن پر عقد کرنے کا حکم یہ ہے کہ وہ ثمن (مشری کے ذمے) واجب بھی ہو جائے اور موجود بھی ہو لیکن ثمن کا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں جس طرح دراهم اور دینار کی بیع کے وقت ان کا ملک میں ہونا ضروری نہیں۔ لہذا اس صورت میں یہ بیع ثمن موحل ہو جائے گی جو اختلاف جنس کی صورت میں جائز ہے اور اس معاملے کو بیع سلم میں بھی داخل کر سکتے ہیں اور اکثر فقہاء فلوس میں ”بیع سلم“ کو جائز بھی قرار دیتے ہیں اس لئے کہ سکے ایسے غیر متفاوت عددی ہیں جو وزن اور صفت وغیرہ بیان کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ امام محمدؒ جو ایک فلس کی بیع دو فلسوں سے ناجائز کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سکوں میں بیع سلم جائز ہے۔

(فقہی مقالات ۱/۳۱-۳۲)

خلاصہ:

کلام یہ ہے کہ مروجہ کرنسی کی حیثیت فلوس نافقہ کی ہے اور ایک ملک کی مختلف کرنسی متحد الجنس ہیں اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجنس ہیں اور ان کرنسیوں کا تعلق محدودات سے ہیں۔ چونکہ مختلف ممالک کی کرنسیوں میں اختلاف الجنس کے ساتھ قدر والی صفت بھی مفقود ہے اس لئے مختلف ممالک کی کرنسیوں کا باہمی تبادلہ تفاضل (زیادتی) اور نیاء (ادھار) کے ساتھ جائز ہے اور یہی بات مفتی بہ ہے۔

هذا ماظهر لي والله اعلم

مختار الله حقاني

خادم ودارالافتاء دارالعلوم حقانيه

یکم جولائی ۲۰۱۰ء